BA Part II Hons
Paper, III

اردو کی دو مثنویاں

سوال نمبر ۲ حضرت دیوان شاہ ارزانی قدس سرہ سے اپنی واقفیت کا اظہار کیجئے ؟

جواب : حضرت دیوان شاہ ارزانی قدس سرہ متوفی ۲ ذی الحجہ ۱۰۳۲ھ ہندوستان کے مشہور صوفی بزرگ گزرے ہیں۔ بقول صاحب "نعمت ارزان" آپ کی ولادت باسعادت کا فخر نواح صوبہ کابل افغانستان کو ہے۔ آپ مادرزاد ولی تھے جو بعد میں ہندوستان کے افق پر شمع ہدایت اور آفتاب ولایت بن کر چمکے۔ آپ جید عالم اور وسیع النظر فاضل تھے۔ آپ کی تصنیفات میں جمع التذکی تفسیر، رسالہ "مرأۃ المحققین" ایک دیوان بزبان پشتو، چند رباعیات کا ایک مجموعہ زبان فارسی اور ایک مثنوی نامہ بزبان پشتو ہے۔

حضرت شاہ سعد اللہ اپنی مثنوی میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت دیوان شاہ ارزانی قدس سرہ زیارت حرمین شریفین کے لئے تشریف لے گئے تو مدینہ منورہ میں حضرت شاہ پیر ملقب بہ شیخ ابو تراب مدنی سہروردی قدس سرہ سے بیعت کی جو چند ہی واسطوں سے حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی سے مل جاتے ہیں۔

آپ کو قادریہ خلافت حضرت بہلول محمد دریا متوفی ۹۸۲ھ سے ملی ہے۔ صاحب "حقیقت الفقراء" لکھتے ہیں کہ حضرت شاہ ارزانی قدس سرہ کے مریدوں کی تعداد دو لاکھ سے بھی زیادہ تھی۔ سلاطین ہند کو آپ سے بڑی عقیدت رہی ہے شاہ جہاں آپ ہی کی دعا سے بادشاہ ہوا۔ مصنف معارج الولایت لکھتے ہیں "شاہ جہاں بادشاہ بوقت شہزادگی از ناملائمی پدر بخدمت وے شکایت کرد برائے حق حصول سلطنت التماس کرد۔ فرمود کہ بعد وفات پدر تو بادشاہ خواہی شد۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ" شاہ جہاں اور دوسرے سلاطین کے فرامین بھی آپ کے نام سے موجود ہیں۔ اس کے علاوہ صوفیوں اور عالموں کو بھی حضرت دیوان شاہ ارزانی قدس سرہ سے بڑی عقیدت رہی ہے۔ امیر شریعت ہوں کہ وقت آپ کے مزار شریف پر حاضری دیتے رہے ہیں۔

حضرت شاہ ارزانی قدس سرہ بڑے صاحب تصرفات و کرامات بزرگ گزرے ہیں۔ آپ کے کرامات و تصرفات کے متعدد واقعات تذکروں میں بکھرے پڑے ہیں جو زبان زد خاص و عام ہیں لیکن رسالہ "نعمت ارزان" اور معارج الولایت" میں متعدد واقعات مذکور ہیں۔ مثلاً صاحب معارج "از شاہ ارزانی کرامات و خوارق بسیار وقوع آمدہ اند بلکہ چند بار احیائے اموات از ان جامع الکمالات ظہور آمدہ۔"

ڈاکٹر جانسن نے اپنی رپورٹ میں درگاہ شاہ ارزانی کے متعلق لکھا ہے "پٹنہ کے مسلمانوں کے لئے اگر کوئی اہم ترین زیارت گاہ ہے تو وہ شاہ ارزانی کی درگاہ ہے جو شہر کے تقریباً وسط میں پچھم کی جانب واقع ہے۔ شاہ ارزانی پنجاب کے باشندہ تھے۔ جو اکبر کے عہد سے پٹنہ میں مقیم رہے۔ بعد ازاں ۱۰۳۲ھ میں انتقال کیا۔ درگاہ کے گدی نشین صوفی بزرگ کے مرید ہوتے ہیں اور ان کا خاندان کے لوگ نہیں۔ یہ مقدس لوگ مجرد ہوا کرتے ہیں جو شادی نہیں کرتے۔ موجودہ گدی نشین کا نام کرم شفیق ہے اور یہ ساتویں گدی نشین ہیں۔ درگاہ کے اخراجات کے لئے بہت سے اوقاف موجود ہیں۔ جن کی آمدنی سے یہاں سے کوئی سو فقیروں کو روزانہ کھانا کھلایا جاتا ہے۔ ہر جمعرات کی شب میں سو سے کر پانچ سو تک زائرین یہاں جمع ہوتے ہیں۔ ان میں مسلمان اور ہندو دونوں ہوتے ہیں۔ ان کا مقصد بزرگ کے مزار کی زیارت اور ان سے اپنی مرادوں کے بر آوری کے لئے دعائیں مانگنا ہوتا ہے۔ یہ لوگ مزار پر چڑھاوے بھی پیش کرتے ہیں۔

ذیقعدہ کے مہینہ میں ایک سالانہ میلہ لگتا ہے جو تین دنوں تک برقرار رہتا ہے۔ پہلے دن شاہ شجاول کے مزار پر چادر چڑھائی جاتی ہے دوسرے دن حضرت شاہ سنت کے مزار پر تیسرے دن خود بزرگ کے مزار پر شاہ سجاول اور شاہ سنت دونوں بزرگ شاہ ارزانی کے مرید اور جانشین تھے۔ تقریباً پانچ ہزار زائرین ہر سال میلے میں زیارت کو آتے ہیں۔ مزار کے متصل ایک امام باڑہ ہے۔ محرم میں عاشورہ کے دن یہاں تقریباً ایک لاکھ کا مجمع ہوتا ہے۔ امام باڑہ کے متصل شاہ ارزان کا کھدوایا ہوا ایک تالاب ہے۔ یہاں ہر سال دس ہزار لوگ جمع ہوتے ہیں اور تالاب میں غسل کرتے ہیں۔

اردو کی دو مثنویاں

سوال نمبر ۳ راغب سے اپنی واقفیت کا اظہار کیجئے۔

جواب: آپ کا نام محمد جعفر خاں اور راغب تخلص تھا۔ راغب ۱۱۵۶ھ میں پیدا ہوئے۔ جائے ولادت کے متعلق تذکرہ مسرت افزا میں یہاں پٹنہ درج ہے۔ لیکن خود راغب اپنی مثنوی "شورش عشق" میں لکھتے ہیں

وہ دہلی کہ میں جس میں پیدا ہوا — دل اس شہر پر میرا شیدا ہوا

صاحب مسرت افزا لکھتے ہیں "۱۱۷۰ھ" تک دہلی میں قیام تھا۔ احمد شاہ درانی کی آمد کا غلغلہ اٹھا تو وطن چھوڑا اور اپنے خاندان کے ساتھ وہاں سے نکل کر عظیم آباد میں سکونت اختیار کی۔ ان کی مثنوی "شورش عشق" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ برج بندرابن، اکبرآباد، فرخ آباد، لکھنؤ اور بنارس کا سیر کرتے ہوئے عظیم آباد آئے۔ تذکروں سے اس امر کی بھی تصدیق ہوتی ہے کہ پرگنہ عنایت پور راغب کے دادا لطف اللہ خاں کی جاگیر تھی۔
مثنوی "شورش عشق" کے اشعار سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ راغب درگاہ حضرت شاہ اکبر ان کے صاحب سجادہ سے مرید ہو گئے تھے

جو اس سلسلے میں اہل سجادہ ہیں — سراسر لطف و خوبی کے آمادہ ہیں
ملے مجھ سے لطف و عنایت کے ساتھ — وہ پیش آئے از بسکہ شفقت کے ساتھ
سراسر خوش ہوا دل مرا ان سے مل — کہ ہیں پیر درویش اور اہل دل
انہیں حق تعالیٰ سلامت رکھے — ہمیشہ بہ عزت بہ حرمت رکھے
ہو ان سے بھی پیدا کہیں بندگی — ہوئی دفع دل کی پراگندگی

راغب کا ۱۲۱۱ھ میں عظیم آباد میں انتقال ہوا۔ وہ اردو شاعری میں مرزا محمد رفیع سودا کے شاگرد تھے۔ ان کے کلیات کا قلمی نسخہ کتب خانہ خدا بخش خاں میں موجود ہے جس میں غزلیں، رباعیات، قصیدے، مراثی اور قطعات کے علاوہ مثنویاں بھی ہیں جن میں دو خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ ایک "فتح نامہ" جو شمالی ہندوستان کی پہلی رزمیہ مثنوی ہے دوسری "شورش عشق"۔

مثنوی "شورش عشق" کو راغب نے ۱۲۱۳ھ میں قصبہ بڑہ میں لکھی ہے۔ اس مثنوی کے شروع میں انہوں نے دہلی کی تباہی کا اور اس کے چھوٹنے کا افسوس کیا ہے اس کے بعد برج بندرابن، اکبرآباد، فرخ آباد، لکھنؤ اور بنارس کا سیر کا حال لکھا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ عظیم آباد آنے کا ذکر کیا ہے اور حضرت دیوان شاہ ارزانی قدس سرہ کی عظمت و بزرگی کا شہرہ سن کر وہاں زیارت کرنے تشریف لے جانے کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ وہاں انہیں جو خاص چیز پیش نظر آئی ان کا واضح نقشہ بھی پیش کیا ہے اور وہاں کا سجادہ نشین اور دوسرے بزرگوں سے اپنی عقیدت کا بھی اظہار کیا ہے۔

— x —

سوال نمبر ۲: شیخ غلام یحیی حضور کی مثنوی "در تعریف درگاہ شاہ ارزاں" سے اپنی واقفیت کا اظہار کیجئے!

جواب: نام آپ کا شیخ غلام یحیی اور تخلص حضور تھا۔ وطن آپ کا عظیم آباد تھا۔ صاحب تذکرۃ الصالحین لکھتے ہیں "مذہب آپ کا حنفی و مشرب چشتیہ تھا۔ آپ کا شمار عظیم آباد کے شاعروں میں تھا۔ آپ کے مریدان و معتقدان بہ کثرت تھے۔ تاریخ وفات ہفتم جمادی الثانی بہ وقت نماز جمعہ ۱۲۳۶ھ ہے۔

دیوان حضور کے صرف ایک قلمی نسخہ کا پتہ چلا ہے اور وہ خانقاہ عمادیہ منگل تالاب سیٹی میں موجود ہے۔ ڈاکٹر مختار الدین احمد دیوان حضور کے متعلق لکھتے ہیں "دیوان حضور کے صرف ایک نسخہ کا اب تک پتہ چلا ہے اور وہ بھی دیوان کا انتخاب ہے"

حضور کے دیوان میں ۹۳ اشعار کی ایک مثنوی بعنوان مثنوی "در تعریف درگاہ شاہ ارزاں" ہے۔ یہ مثنوی حضور نے تقریباً ۱۱۹۰ھ میں لکھی تھی۔ اس مثنوی کے مطالعہ سے حضرت شاہ ارزاں قدس سرہ سے حضور کی گہری عقیدت کا پتہ چلتا ہے۔

حضور اپنی مثنوی کے شروع میں دنیا میں بے شمار بسے ہوئے شہروں میں سے ہندوستان میں دہلی شہر کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ شہر دنیا میں رشک خلد بریں ہے۔ یہ لکھتے ہیں جو لوگ عطار کو صوفیہ بہار کہتے ہیں دراصل وہ بہار نہیں ہے بلکہ بہار ہی بہار ہے اسلئے کہ موسم خزاں میں بھی اس سرزمین پر شادابی رہتی ہے سو موسم بہار میں بھی کلیاں اور سبزہ ہی نہیں رہتی۔ اس سرزمین کی شگفتہ زبان سے کیا بیان ہو قلم روانی سے قاصر ہے۔

یہاں شاہ ارزاں کی درگاہ مخصوص ہے جہاں جا کر دیکھنے سے عقل انسانی حیران ہو جاتی ہے۔
مثل قبہ نور مزار پر جو گنبد ہے وہاں کچھ اللہ جلوے نظر آتے ہیں کہ زیارت کرنے والے حیران رہ جاتے ہیں۔
اس درگاہ کو دیکھنے پر محسوس ہوتا ہے کہ اس مقدس مقام پر خدا ہی کے ظہور کا جلوہ ہے۔ یہاں امیر جو زائرین زیارت کے لئے آتے ہیں تو مرادیں مانگنے سے پہلے ہی ان کی مرادیں پوری ہو جاتی ہیں۔
اس پر جو محل کا شامیانہ ہے اسے بہ نگاہ عقیدت دیکھا جائے تو دراصل یہ ابر رحمت حق کا ظہور معلوم پڑتا ہے جس سے ہمیشہ نور کی بارش ہوتی رہتی ہے۔ وہاں جو تالاب ہے دراصل وہ تالاب نہیں ہے بلکہ تماشہ کو دکھانے کے لئے آسمان نے جب کی آنکھیں کھول بھیں تو اس کے اشک شرشح سے یہ تالاب وجود میں آگیا۔ وہاں جو باغ ہے اسے دیکھنے سے اہل خرد کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں اور اس کے حالات زبان بیان نہیں کر سکتی۔ وہ باغ نہیں ہے بلکہ قدرت خدا کا ظہور ہے۔ یہ باغ ہمیشہ سرسبز و شاداب رہتا ہے۔ اس میں ہمیشہ بہار ہی بہار رہتی ہے۔ حضور صاحب ایام باراں آتے ہیں تو یہاں کا منظر دیکھ کر خوش

اردو کی دو مثنویاں

وہ خود بجا نہیں رہتے۔ عجیب طرح کا منظر ہے کہ ان کی دنیا سے معلوم ہوتا ہے کہ طلسم یہاں بندھا ہوا ہے۔ جدھر نظر اٹھتی ہے پری رو چہرے جلوہ افروز رہتے ہیں۔ کہاں تک اس کی ثنا خوانی کی جائے۔ سبھی یہاں حسن و جمال میں یوسف ثانی نظر آتے ہیں۔ ان کی زلفوں سے وہ باغ سنبلستان بنا رہتا ہے۔ ان کی آنکھوں سے نرگستان گلزار رہتا ہے۔ عجیب طرح کی ان کی نگاہ ہے جو دل میں کھب جاتی ہے۔ اس کی صفت میں کیا بیان کروں میرا کلیجا ٹکڑے ٹکڑے ہوئے جاتا ہے۔ یہ عجیب مقام ہے جہاں زبان بند ہو جاتی ہے۔ یہاں کا ہر ایک عضو بدن دوسروں کے عضو بدن سے بہتر ہے۔ غرض یہاں کے زائرین پری رویوں کے پاؤں جو حسن نظر آتا ہے وہ کسی اور کے منہ میں بھی نہیں ہوتا۔

پھر حضور لکھتے ہیں کہ اب اس مثنوی کو طول مت دو اور اسے اس بات پر ختم کر دو کہ نہ نام و نمود کی شہرت مجھے ہے اور نہ اس کا صلہ مجھے چاہئے۔

میرا مقصد صرف یہی ہے کہ لوگ اس کو پڑھیں اور مجھ گنہگار کے حق میں دعائے خیر کریں۔ اس مثنوی میں ۸۳ بند ہیں اور اس کا عنوان "مثنوی در تعریف شاہ ارزاں" رکھتے انہوں نے مسجد، مزار، تالاب اور باغ کی خوب خوب ثنا خوانی کی ہے۔

زائرین ماہ رویوں کے ہر عضو بدن کی تعریف میں بہت زیادہ اشعار لکھے گئے ہیں جن میں بہت بھونڈے الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے۔ مثنوی کے اعتبار سے تو ٹھیک ہے لیکن شاہ ارزاں کی درگاہ کی شان میں یہ بات زیب نہیں دیتی ہے۔ تاجدار مثنوی میر حسن نے بھی "سحر البیان" میں ایسے شعر لکھے ہیں اور ایسے الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ اس دور میں اس طرح کی شاعری ہوا کرتی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اسی سے متاثر ہو کر حضور نے یہ مثنوی لکھی ہو۔

بہر کیف اس مثنوی کے شروع کے اشعار سے حضور کی بے پناہ عقیدت کا پتہ چلتا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ درگاہِ شاہ ارزاں کے مزار پر روزانہ بہت سے زائرین حاضری دیتے ہیں اور مرادیں مانگتے ہیں اور یقیناً ان کی مرادیں پوری بھی ہوتی ہیں۔